دعوتِ اسلامی کی کامیابی کا راستہ

تربیت گاہِ جماعتِ اسلامی میں سوال و جواب کی ایک محفل

پچھلے دنوں لاہور میں صوبۂ پنجاب کے ارکانِ جماعت کی ایک تربیت گاہ چند روز کے لیے قائم ہوئی تھی جس میں ہر ضلع کے چیدہ ارکان شریک ہوئے تھے۔ ۳۰ مارچ کی شام کو اس میں مجھے شرکاءِ تربیت گاہ کے سوالات کا جواب دینے کے لیے مدعو کیا گیا۔ اس میں جو سوالات کیے گئے اور ان کے جو جوابات دیے گئے انہیں یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

ابوالاعلیٰ

اَن پڑھ لوگوں میں تبلیغ کیسے کی جائے

سوال:۔ "۸۰ فیصد اَن پڑھ لوگوں کو دعوتِ اسلامی سے کیسے روشناس کرایا جائے؟"

جواب:۔ اسلام کی دعوت جب عرب میں پیش کی گئی تھی اُس وقت اُس کی مخاطب آبادی تقریباً سو فیصدی اَن پڑھ تھی۔ قریش جیسے ترقی یافتہ قبیلے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں صرف سترہ افراد پڑھے لکھے تھے۔ مدینے میں اِس سے بھی کم لوگ تعلیم یافتہ تھے۔ اور باقی عرب کی حالت کا اندازہ آپ اِن دو بڑے شہروں کی حالت سے کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید اُس ملک میں لکھ کر نہیں پھیلایا گیا تھا بلکہ وہ لوگوں کو زبانی سُنایا جاتا تھا۔ صحابۂ کرام اُس کو سُن کر ہی یاد کرتے تھے اور پھر زبانی ہی اُسے دوسروں کو سُناتے تھے۔ اِسی ذریعہ سے پورا عرب اسلام سے روشناس ہوا۔ پس درحقیقت لوگوں کا اَن پڑھ ہونا کوئی ایسی دشواری نہیں ہے جس کی وجہ سے اسلام کی تبلیغ نہ ہو سکتی ہو۔ آغازِ اسلام میں اِس دین کی تبلیغ اَن پڑھ لوگوں ہی میں کی گئی تھی اور یہ محض زبانی تبلیغ و تلقین ہی تھی جس سے اُن کو اِس قدر بدل دیا گیا، ایسا زبردست انقلاب اُن کے اندر برپا کر دیا گیا کہ وہ دنیا کے مصلح بن کر کھڑے ہو گئے۔ اب آپ کیوں

یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ۸۰ فیصد اَن پڑھ آبادی میں اسلام کی دعوت نہیں پھیلائی جاسکتی ؟ آپ کے اندر ۲۰ فی صدی تو پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں۔ وہ پڑھ کر اسلام کو سمجھیں، اور پھر باقی ۸۰ فی صد لوگوں کو زبانی تبلیغ وتلقین سے دین سمجھائیں۔ پہلے کی بہ نسبت اب یہ کام زیادہ آسان ہوگیا ہے۔ البتہ فرق جو کچھ ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُس وقت جو شخص بھی اسلام کی تعلیمات کو سُن کر ایمان لاتا تھا وہ ایمان لاکر بیٹھ نہیں جاتا تھا بلکہ آگے دوسرے بندگانِ خدا تک ان تعلیمات کو پہنچانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اُس کی تمام حیثیتوں پر مبلّغ ہونے کی حیثیت غالب آجاتی تھی۔ وہ ہمہ تن ایک تبلیغ بن جاتا تھا۔ جہاں جس حالت میں بھی اُسے دوسرے لوگوں سے سابقہ پیش آتا تھا، وہ ان کے سامنے اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات بیان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ وہ ہر وقت اِس تلاش میں لگا رہتا تھا کہ کس طرح اللہ کے بندوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لائے۔ جتنا قرآن بھی اُسے یاد ہوتا وہ اُسے لوگوں کو سُناتا، اور اسلام کی تعلیمات جتنی کچھ بھی اسے معلوم ہوتیں اُن سے وہ لوگوں کو آگاہ کرتا تھا۔ وہ انہیں بتاتا تھا کہ صحیح عقائد کیا ہیں جو اسلام سکھاتا ہے اور باطل عقیدے اور خیالات کون سے ہیں جن کی اسلام تردید کرتا ہے۔ اچھے اعمال اور اخلاق کیا ہیں جن کی اسلام دعوت دیتا ہے؛ اور برائیاں کیا ہیں جن کو وہ مٹانا چاہتا ہے۔ یہ سب باتیں جس طرح پہلے سُنائی اور سمجھائی جاتی تھیں اُسی طرح آج بھی سُنائی اور سمجھائی جاسکتی ہیں۔ اِن کے لیے نہ سُنانے والے کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے نہ سننے والے کا۔ یہ ہر وقت بیان کی جاسکتی ہیں اور ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ اسلام نے کوئی ایسی نرالی چیز پیش ہی نہیں کی ہے جس سے انسانی طبائع مانوس نہ ہوں اور جن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بڑے فلسفے بگھارنے کی ضرورت ہو۔ یہ تو دینِ فطرت ہے۔ انسان اِس سے بالطبع مانوس ہے۔ اِسے پڑھے لکھے لوگوں کی بہ نسبت اَن پڑھ لوگ زیادہ آسانی سے قبول کرسکتے ہیں، کیونکہ وہ فطرت سے قریب تر ہوتے ہیں، اور ان کے دماغ میں وہ پیچ نہیں ہوتے جو جاہلیت کی تعلیم نے ہمارے پڑھے لکھے لوگوں کے دماغوں میں ڈال دیے ہیں۔ لہٰذا آپ اَن پڑھ آبادی کی کثرت سے ہرگز نہ گھبرائیں۔ اُن کی ناخواندگی اصل رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ آپ کے اندر جذبۂ تبلیغ کی کمی اصل رکاوٹ ہے۔ ابتدائے اسلام کے مسلمانوں کی طرح ہمہ تن مبلّغ بن جائیے اور تبلیغ کی وہ لگن اپنے اندر پیدا کرلیجیے جو ان کے اندر تھی۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اسلام کی دعوت پھیلانے کے بے شمار مواقع آپ کے منتظر ہیں جن سے آپ نے آج تک اس لیے فائدہ نہیں اُٹھایا کہ آپ اپنے ملک کی آبادی میں سو فی صدی خواندگی پھیل جانے کے منتظر رہے۔

آئندہ انتخابات میں جماعت اسلامی کی پالیسی کیا ہو؟

سوال:- "آئندہ عام انتخابات میں جماعت اسلامی کی انتخابی پالیسی کیا ہونی چاہیے"؟

جواب:- اس سوال کا جواب میں آپ کو یہاں نہیں دے سکتا۔ اس کے متعلق اگر مجھے کچھ کہنا ہوگا تو امیر جماعت سے کہوں گا، یا مجلسِ عاملہ مجھ سے دریافت کرے گی تو اس کے سامنے بیان کروں گا، یا مجلس شوریٰ مجھ سے پوچھنا چاہے گی تو اُس کے اجلاس میں پیش کروں گا۔ میں ایک عام رُکن جماعت ہوں۔ نہ امیر جماعت ہوں، نہ مجلسِ عاملہ کا رُکن، نہ مجلس شوریٰ کا رکن۔ میرا یہ کام نہیں ہے کہ یہاں بیٹھ کر جماعت کی پالیسی طے کروں۔ پالیسی طے کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو دستور کی رُو سے اِس کے مجاز ہیں۔ کسی معاملہ میں میری جو رائے بھی ہوگی اُسے اُن تک پہنچا دوں گا، پھر یہ اُن کی صواب دید پر موقوف ہے کہ جو پالیسی چاہیں بنائیں۔

چوہدری غلام جیلانی صاحب۔ "لیکن مولانا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ سب کچھ ہیں"۔

جواب:- میں اِس تصوّر کی جڑ کاٹ دینا چاہتا ہوں۔ یہ جماعت ایک دستور اور ایک نظام پر قائم ہے۔ اِس میں مجھ سمیت کوئی شخص بھی اپنی ذاتی حیثیت میں "سب کچھ" نہیں ہو سکتا۔ جس روز جماعت کی تاسیس ہوئی تھی اُسی روز میں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ دعوت تو بلا شبہ میں نے دی ہے، مگر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو شخص داعی ہے اُسی کو آپ سے آپ امیر جماعت بھی ہونا چاہیے۔ میرا کام آپ کو اقامت دین کے لیے جمع کر دینا تھا سو وہ میں نے کر دیا۔ اب یہ طے کرنا آپ کا کام ہے کہ یہ ذمہ داری کس کے سپرد کریں۔ اُس وقت چونکہ ارکانِ جماعت نے امارت کا بار میرے اُوپر ہی رکھ دیا اس لیے میں نے اسے اُٹھا لیا۔ اب میری خرابیِ صحت نے مجھے اِس قابل نہیں چھوڑا ہے کہ اِس ذمہ داری کا حق ادا کر سکوں، اِس لیے میں نے ایمانداری کے ساتھ اپنے آپ کو اِس سے سبکدوش کرا لیا ہے۔ اس کے بعد پھر وہی ذمہ داری میں اپنے سر کیسے لے لوں جبکہ نظامِ جماعت کی رُو سے اب میں اُس کا حامل نہیں رہا ہوں؟ البتہ خادمِ جماعت ہونے کی حیثیت سے میرا جو فرض ہے اُسے جب تک زندہ ہوں انشاءاللہ ادا کرتا رہوں گا۔

کیا اقامتِ دین کا کام ظہورِ مہدی سے پہلے ہو سکے گا؟

سوال:- "کیا اقامتِ دین ایک فرض ہے جسے ہر زمانے اور ہر حال میں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟ اور کیا قرآن وحدیث میں کہیں یہ بات ملتی ہے کہ ظہور مہدی سے قبل اسلامی نظام قائم ہو سکے گا"؟

جواب :- قرآن میں تو خیر ظہور مہدی کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے - البتہ احادیث میں اس کا ذکر ضرور آیا ہے - مگر وہ بس اسی حد تک ہے کہ مہدی آئیں گے اور دنیا کو، جو ظلم سے بھر چکی ہوگی، عدل سے بھر دیں گے - اس خوشخبری سے آخر یہ مطلب کیسے نکل آیا کہ جب تک وہ نہ آئیں اُس وقت تک دنیا ظلم سے بھرتی رہے اور ہم اس کا تماشا دیکھتے رہیں - شیاطین کے دین قائم ہوتے رہیں اور اللہ کا دین قائم کرنے کے لیے ہم امام مہدی کی تشریف آوری کے انتظار میں بیٹھے رہیں - یہ تعلیم نہ اللہ نے دی ہے، نہ اللہ کے رسول نے - اور قرآن و حدیث میں یہ بھی کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ امام مہدی کی آمد سے پہلے اللہ کا دین کبھی قائم نہ ہو سکے گا، یا اُسے قائم کرنے کی کوشش کا فریضہ مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط رہے گا - یہ بات ایک بشارت تو ضرور ہو سکتی ہے کہ آئندہ کسی زمانے میں کوئی ایسی عظیم شخصیت اُٹھے گی جو تمام عالم میں اسلام کا جھنڈا بلند کر دے گی، مگر یہ کوئی حکمِ امتناعی نہیں ہو سکتی کہ ہم دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کچھ نہ کریں - رہا یہ سوال کہ اقامتِ دین فرض ہے یا نہیں، تو کوئی ایسا شخص جو قرآن و حدیث کو جانتا ہے، اس بات سے ناواقف نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء بھی بھیجے ہیں اپنا دین قائم کرنے ہی کے لیے بھیجے ہیں، کوئی ایک نبی بھی لوگوں کو یہ سکھانے کے لیے نہیں بھیجا کہ وہ غیر اللہ کا دین قائم کرنے والوں کے ماتحت بن کر رہیں - سورۂ شوریٰ دیکھیے، اس میں حضورؐ سمیت تمام انبیاء کا فرض یہ بیان کیا گیا ہے کہ اَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ - "اس دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ" - سورۂ توبہ، سورۂ فتح اور سورۂ صف میں دیکھیے - تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ - "وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ پورے دین پر اُسے غالب کر دے" - اب کون یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود نبیؐ برحق کے مقصدِ بعثت سے مختلف بھی کچھ ہو سکتا ہے؟

عوامی رجحانات کو دیکھتے ہوئے ہماری سیاسی پالیسی کیا ہونی چاہیے؟

سوال :- "پاکستان کے موجودہ حالات میں عوام کے رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری سیاسی حکمتِ عملی کیا ہونی چاہیے"؟

جواب :- یہ سوال بھی اگرچہ اُسی نوعیت کا ہے جس کا جواب اس مجلس میں دینے سے میں اظہارِ معذرت

کرچکا ہوں، لیکن چونکہ اس سوال میں پوچھا یہ گیا ہے کہ "پاکستان کے موجودہ حالات میں عوام کے رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے" ہماری سیاسی پالیسی کیا ہونی چاہیے، اس لیے میں اس کا ایک اُصولی جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ ہمارے رفقاء کسی غلط طرزِ فکر میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہم جس ملک میں، جس قوم میں، جس زمانے میں، اور جن حالات میں کام کر رہے ہیں، ہمیں کوئی پروگرام بناتے ہوئے اُن سب کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ لیکن ہماری اُصولی دعوت لازماً ایک ہی رہے گی، ہمارا بنیادی مقصد بھی قطعاً ناقابلِ تغیر ہوگا، اور اپنا عملی پروگرام بناتے ہوئے ہم ان چیزوں کو صرف اِس حیثیت سے ملحوظ رکھیں گے کہ اِس ملک اور اِس زمانے کے حالات میں ہم اپنی دعوت کو کس طریقے سے فروغ دیں، اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے اِس قوم کے اچھے رجحانات سے کس طرح فائدہ اُٹھائیں، اور اس کے بُرے رجحانات کو کس طرح بدلیں کہ وہ ہمارے مقصد کی راہ میں کم از کم رکاوٹ تو نہ بن سکیں۔ اس نقطۂ نظر سے ان چیزوں کو ملحوظ رکھنا تو عین تقاضائے حکمت ہے لیکن اگر ہم زمان و مکان کے حالات اور لوگوں کے رجحانات کو دیکھ کر اپنی دعوت اور اپنے مقصد ہی پر نظرِثانی کرنے بیٹھ جائیں تو یہ سراسر گمراہی ہے جس کا خیال تک ہمارے ذہن میں نہ آنا چاہیے۔ طریقِ کار حالات کے لحاظ سے بدلا جاسکتا ہے۔ حکمتِ عملی میں لوگوں کے اچھے یا بُرے رجحانات کے لحاظ سے تغیر کیا جاسکتا ہے۔ مگر اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور اس کی دعوت کے جو اُصول مقرر کر دیے ہیں اُن میں ذرّہ برابر کوئی ردّ و بدل لوگوں کے رجحانات یا زمانے کے حالات کو دیکھ کر نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس چیز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے ہمیں ہر حال میں اُسی کو قائم کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جس ملک میں کام کر رہے ہوں اُس کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم اِس مقصد کے لیے سعی و جہد کے ایک طریقے کو موزوں پاکر اختیار کرلیں اور دوسرے طریقے کو ناموزوں سمجھ کر ترک کر دیں۔ اِسی طرح جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ مٹانا چاہتے ہیں ان کو مٹانا ہی ہماری کوششوں کا ہمیشہ مقصود رہے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی استطاعت اور ملک کے حالات، اور عوام کی مزاجی کیفیات کو دیکھ کر یہ طے کریں کہ کن چیزوں کو مٹانے کی کوشش مقدم اور کن کے مٹانے کی کوشش مؤخر رکھی جانی چاہیے۔ نیز یہ کہ اس غرض کے لیے ہم کونسی تدابیر اختیار کرسکتے ہیں، اور کن تدابیر کا اختیار کرنا غیرممکن، غیرمفید، یا غیرمناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو غلبے کا موقع کس حد تک دیتا ہے؟

سوال: "اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق کاذب، ظالم اور خبیث قسم کے حکمرانوں کو شریف اور خدا ترس لوگوں پر زیادتیاں کرنے، دینِ حق کا راستہ روکنے، عوام کو ذلیل و خوار کرنے اور قومی وسائل کو اپنی ذات کے مفاد میں استعمال کرنے کا موقع کس حد تک عطا فرماتا ہے۔

نیچے کھچے پاکستان میں ایسے حالات جاری رہنے کے کس حد تک امکانات ہیں اور نظامِ اسلامی کے غلبہ کے بارے میں یہاں کیا توقعات ہیں۔"

جواب: اللہ تعالیٰ اپنی مصلحتوں اور اپنی حکمتوں کو خود ہی جانتا ہے، ہمارے پاس اُن کو جاننے اور سمجھنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اُس نے مختلف جباروں اور مختلف ظالم قوموں کی رسی جتنی چاہی ہے دراز کی ہے، اور جب چاہا ہے ان کو اٹھا کر اِس طرح پھینکا ہے کہ وہ عبرت بن کر رہ گئے ہیں۔ بہر حال اپنی زمین کا مستقل پٹہ اُس نے کسی شخص یا قوم یا مجموعۂ اقوام کو کبھی لکھ کر نہیں دے دیا ہے۔ یہ معاملہ چونکہ ہماری سمجھ سے باہر ہے اس لیے خدا کے دین کو قائم کرنے کی جد و جہد کرتے ہوئے ہمیں اس فکر میں نہیں پڑنا چاہیے کہ جو طاقتیں اس راہ میں مزاحم ہیں ان کی رسی خدا نے کتنی دراز یا کتنی کوتاہ رکھی ہے۔ ہمیں اپنا فرض صبر و حکمت کے ساتھ بہر صورت ادا کیے چلے جانا چاہیے، خواہ اس کے نتائج نکلنے میں کتنی ہی تاخیر ہو، اور وہ نتائج ہماری آنکھیں دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں۔

باطل کے لیے کام کرنے والوں کی طرح حق کے لیے کام کرنے والوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ مختلف رہا ہے۔ کبھی اُن کے حصے میں صرف جان و مال اور وقت و محنت کی قربانی ہی آتی ہے، دنیوی کامیابی انہیں عطا نہیں کی جاتی۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اللہ ان سے ناراض اور ظالموں سے راضی ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس قوم میں وہ کام کر رہے ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں بناتی کہ اللہ اسے نیک رہنما اور عادل فرمانروا دے، بلکہ اس کے برعکس اُس کی شقاوت اور دناءت اپنے رب سے گمراہ کن رہنما اور جابر و ظالم فرمانروا ہی مانگتی ہے اور وہی اسے دیے جاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں اہلِ حق کا کیا ہوا کام ضائع ہرگز نہیں ہوتا۔ آخرت میں تو اُن کا اجر بہر حال محفوظ ہے ہی، دنیا میں بھی جو بیج وہ بو جاتے ہیں وہ کبھی نہ کبھی پھل لا کر رہتے ہیں، خواہ ان کے بار آور ہونے میں صدیاں لگ جائیں۔

پھر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اہلِ حق کو کامیابی نصیب ہوتی ہے، مگر آسانی کے ساتھ نہیں بلکہ بڑی تکلیفیں اُٹھا کر اور ہر طرح کے ظلم و ستم کی چکی میں پس کر ہوتی ہے۔ اس کی نمایاں ترین مثال آپ کے سامنے خود اُن بندگانِ حق

کی موعود ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر حضورؐ کی رہنمائی میں وہ دین قائم کیا جسے قائم کرنے کے لیے آج آپ اٹھے ہیں۔ اُن کے ساتھ یہ معاملہ تو نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے خوب دل لگا کر فرائض و نوافل ادا کیے ہوں اور ایک روز فرشتوں نے آکر اُن سے کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عبادت اور ذکر و اذکار سے بہت خوش ہوا ہے، چلیے اب تختِ سلطنت آپ کے لیے تیار ہے۔ یا کفر و فسق کے زیر سایہ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی تبلیغ کرتے رہے ہوں اور ایک وقت اچانک ایسا آگیا ہو کہ کفار و فساق آپ ہی اُن کے حق میں اقتدار سے دستبردار ہو گئے ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ مکہ معظمہ میں (ابتدائی خفیہ دعوت کا زمانہ چھوڑ کر) مسلسل دس سال تک حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں پر سخت سے سخت ظلم کیے گئے۔ کسی کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر گھسیٹا گیا کسی کو آگ کے انگاروں پر ڈال کر اوپر سے پتھر رکھ دیے گئے۔ کسی کو اُلٹا لٹکا کر اور چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دی گئی۔ کسی کو مار مار کر ادھموا کر دیا گیا۔ کسی کو پانی میں غوطے دیے گئے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگوں کو گھر بار چھوڑ کر بے سرو سامانی کے عالم میں حبش کی طرف نکل جانا پڑا۔ پے در پے مصائب کے یہ دس سال گزارنے کے بعد جب مدینے میں پناہ کی ایک جگہ اور حامیوں کی ایک جماعت ملی تو وہاں بھی کوئی پھولوں کی سیج تیار نہ تھی۔ ۹ سال تک وہاں گھر کے منافقوں، پڑوس کے یہودیوں، اور پورے عرب کے مشرکوں سے ایک شدید جانگسل کشمکش برپا رہی جس میں کبھی ایک دن کے لیے بھی چین نصیب نہ ہوا۔ غارِ ثور کی انتہائی خطرناک پناہ گزینی سے لے کر غزوۂ تبوک کے جیشِ عُسرت تک سارا زمانہ ایسی حالت میں گزرا جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔ "ہم ضرور تمہیں آزماکر رہیں گے کچھ خوف سے کچھ بھوک سے اور کچھ مال اور جان اور پیداوار کے نقصانات سے۔" یہ مراحل جب صبر و استقامت کے ساتھ گزار لیے گئے تب کہیں دینِ حق کے علمبردار اور اس کے مجاہد ساتھیوں کی آنکھیں يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کا منظر دیکھ کر ٹھنڈی ہو سکیں۔

یہ سب کچھ کس لیے تھا؟ کیا ظالموں کے ظلم سے اللہ راضی تھا اس وجہ سے وہ ان کو اپنے نیک بندوں پر زیادتیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دیے جا رہا تھا؟ کیا اللہ رحیم و رحمٰن کو یہ پسند تھا کہ اُس کے باغی عیش کریں اور اُس کے وفادار بھوکے مریں؛ ماریں کھائیں؛ گھر سے بے گھر کیے جائیں؛ اور میدانِ جنگ میں صرف قتل ہی نہ کیے جائیں بلکہ اُن کے کلیجے تک چبا ڈالے جائیں؟ اگر آپ یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ اصل بات یہ نہیں ہے تو پھر خوب سمجھ لیجیے کہ اللہ جل شانہٗ اسلام کی دعوت لے کر اٹھنے والوں کے لیے آزمائشوں کی بھٹی ضرور گرم

کرتا ہے، تاکہ کوئی بودا اور خام آدمی اِس میدان میں قدم نہ رکھنے پائے، اور جو لوگ بھی ایمان کا اقرار کر کے اِس راہ پر آئیں وہ لازماً اِس بھٹی سے گزارے جائیں تاکہ حق و صداقت کے ساتھ ان کا عشق، اور دین کی سربلندی کے لیے ان کا عزم، اور اقامتِ دین کے لیے ان کا کردار پختہ اور قابلِ اعتماد ہو جائے۔ اس کے بغیر اُن کو اللہ اور اُس کے دین کے نام پر دنیا میں حکومت و فرمانروائی کا موقع دے دیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ کافروں کی جگہ مسلمان خلقِ خدا پر ظلم کرتے، اور اُن کی خیانتیں اور بدکرداریاں دیکھ کر دین اور اہلِ دین کی ساکھ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔

اِس حقیقت کو اگر آپ اچھی طرح سمجھ لیں تو کبھی آپ کے ذہن یہ سوچ سوچ کر پریشان نہ ہوں کہ اللہ کب تک ظالموں کو ظلم کی چھوٹ دیے رکھے گا؟ اور اِن حالات میں اسلامی نظام کے قائم ہونے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ خوب جان لیجیے کہ اِس سرزمین میں اسلام کا غلبہ اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اِس مقصد کے لیے کام کرنے والے اُسی بھٹی سے گزریں جس سے دَورِ اوّل کے اہلِ ایمان گزرے تھے۔ اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ ہر قربانی دینے، ہر مشقت اُٹھانے، ہر نقصان بھگتنے اور ہر خطرہ برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جب تک یہ امتحان وہ پاس نہ کر لیں گے اُن پر ایک دارالاسلام کے انتظام کی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، کیونکہ وہ اِس بوجھ کو سہار نہ سکیں گے۔ اسلام کے نام پر کسی نیم پختہ گروہ کو اگر حکومت دے دی جائے اور پھر اس کے لائے ہوئے حاکم خائن نکلیں، اختیارات کا ناجائز استعمال کریں، اپنی اغراض و خواہشات کے بیجا تقاضوں سے مغلوب ہو کر انصاف اور امانت کا خون کرنے لگیں، قوم کے مال میں ناروا تصرف کریں، اپنے آپ کو قانون سے بالاتر قرار دے لیں، اور اقتدار کا بار پڑتے ہی اُن کے اخلاق جواب دے جائیں تو پھر ہمیشہ کے لیے یہاں اسلام کے غلبے کا امکان ختم ہو جائے گا۔ اِس ملک ہی کی آبادی نہیں بلکہ پوری دنیا اسلام سے مایوس ہو جائے گی۔ اِس لیے اِس کو اللہ کی رحمت سمجھیے کہ وہ آپ کو پختہ کرنے کے لیے آزمائشوں کی بھٹی سے گزار رہا ہے اور قبل از وقت آپ پر ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈال رہا۔ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہو گا کہ یہاں ایک ایسی جماعت بن گئی ہے جس میں کھرا سونا ہی پایا جاتا ہے اور کھوٹ سے وہ صاف ہو گئی ہے، جس کی دیانت و امانت اور خداترسی قابلِ اعتماد ہے، جو کبر و نخوت اور انانیت و نفسانیت سے پاک ہے، جو اپنی بڑائی کے لیے نہیں اُٹھی ہے بلکہ فی الواقع اللہ کے دین ہی کی بالاتری قائم کرنا چاہتی ہے، تب اللہ کے فضل سے یہ پوری اُمید ہے کہ وہ ایسی جماعت کو دنیوی کامیابی بھی عطا فرمائے گا جس طرح اس کے پیشروؤں کو وہ عطا کر چکا ہے۔ اس لیے صبر اور

ہمت و استقامت کے ساتھ آزمائشوں سے گزریے اور اللہ سے دعا مانگتے رہیے کہ وہ آپ کو اقامت دین کے کام کی اہلیت و صلاحیت عطا فرمائے۔ یہی بات ہے جو حضرت خبابؓ بن ارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ جب انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے، تو آپؐ کا چہرۂ مبارک تمتما اٹھا اور آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو اہلِ ایمان گذر چکے ہیں ان پر اس سے زیادہ سختیاں توڑی گئی تھیں۔ یقین جانو کہ اللہ اِس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا جب ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔

اقامتِ دین کے کام کے لیے فارغ کارکن کیوں؟

سوال:۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبۂ اسلام سے پہلے تمام صحابہ کرامؓ سے رضاکارانہ تعاون حاصل فرمایا اور صرف اسلامی نظام کے قیام کے بعد ہی کارکنوں کو فارغ کیا گیا تو کیا جماعت اسلامی اِس سنّت کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہی ہے"؟

جواب:۔ دراصل اِس کے لیے لفظِ سنّت کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ یہ تو تدبیر کا معاملہ ہے جس میں حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کوئی مناسب طریقِ کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مکۂ معظمہ میں جب تک حضورؐ رہے، طریق کار یہ تھا کہ جو لوگ کچھ مال رکھتے تھے وہ اُن لوگوں کی مدد کرتے تھے جو اپنا بار آپ نہ اُٹھا سکتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وہ سارا مال اللہ کی راہ میں صرف فرمایا جو نبوت سے پہلے آپ کے پاس تھا حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے خوشحال مسلمانوں نے بھی اپنی دولت اس کام میں صرف کی۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ایسے اصحاب بھی تھے جن کے ذرائع معیشت ظالموں نے ختم یا تنگ کر دیے تھے، اور ایسے نوجوان بھی تھے جنہیں اُن کے گھر والوں نے نکال دیا تھا اور وہ بے سہارا رہ گئے تھے۔ ان سب لوگوں کے لیے چاہے باقاعدہ مشاہرے نہ مقرر کیے گئے ہوں، لیکن ان کی کفالت کسی نہ کسی طرح کی جاتی تھی، ورنہ ظاہر بات ہے کہ وہ خوراک اور لباس کے بغیر تو نہیں رہ سکتے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بھی ایک مدت تک یہ صورت رہی کہ جو لوگ کفالت کے محتاج تھے اور خود اپنی روزی نہ کما سکتے تھے ان کی کفالت دوسرے اصحاب اپنی استطاعت کے مطابق کرتے رہتے تھے۔ سورۂ بقرہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف مسلمانوں کو یہ بتایا گیا کہ اُن غریب لوگوں کی مدد کی جائے جو "اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں جو اپنے ذاتی کسبِ معاش کے لیے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے" (اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ)۔

اُن غریبوں کے اللہ کی راہ میں گھر جانے کا مطلب دین کے کام میں اُن کا اِس طرح مشغول ہو جانا تھا کہ وہ چل پھر کر اپنی روزی کمانے کی فرصت نہ رکھتے تھے، اور ایسے ذرائع بھی ان کو حاصل نہ تھے کہ وہ گھر سے کھا کر خدا کا کام کر سکیں۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے غنیمت اور فے کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیے تو ان کا ایک مصرف ایسے خادمانِ دین کی کفالت بھی تھا۔ پھر جن لوگوں کو حضورؐ نے امیر یا عامل، یا محصلِ زکوٰۃ وغیرہ مناصب پر مقرر کیا تو ان کے باقاعدہ مشاہرے بھی مقرر فرمائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے مختلف زمانوں میں مختلف حالات کے لیے جو تدبیر موزوں سمجھی وہ اختیار فرمائی۔ ان میں سے کسی تدبیر کو بھی ایسی سنّت قرار نہیں دیا جا سکتا جس کی پابندی ہر حال میں لازم ہو۔ جماعت اسلامی میں فارغ کارکن صرف اُسی صورت میں مقرر کیے گئے ہیں جبکہ جُز وقتی کارکنوں کی رضاکارانہ خدمات سے باقاعدگی کے ساتھ کام نہ چل سکتا ہو، اور ہمہ وقتی خدمات کے لیے ایسے کارکن بھی نہ مل سکتے ہوں جو گھر سے کھا کر اپنا سارا وقت خدا کے کام میں صرف کر سکیں۔

ہم جیسے کمزور لوگوں کے ہاتھوں اسلامی نظام کیسے برپا ہوگا اور کتنے دن چل سکے گا؟

سوال:۔ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی جماعت، جن کے ہاتھوں اسلامی انقلاب برپا ہوا، اُن کے تقویٰ، قناعت، کفایت شعاری، جانی و مالی ایثار، توکل علی اللہ، اور شوقِ شہادت کا معیار اتنا اُونچا تھا کہ جس کا نمونہ موجودہ تحریک اسلامی کے کارکنوں میں پایا جانا تو درکنار اس کا سوواں حصّہ بھی نایاب ہے۔ کس طرح ممکن ہے کہ وہ مہم سر کی جا سکے جو صحابہؓ نے سر کی ہے۔ پھر ایسے بلند مرتبہ رہنماؤں اور کارکنوں کے ہاتھوں جو اسلامی انقلاب برپا ہوا وہ بھی معیاری صورت میں ۳۰ سال ہی چل سکا، صرف اس لیے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے درمیان پہلے صحابہ جیسے لوگ نہ تھے۔ اب جس معیار کے رہنما اور کارکن تحریک اسلامی میں ہیں ان کے ہاتھوں وہ انقلاب برپا ہونا اوّل تو سخت مشکل ہے، اور اگر وہ برپا ہو بھی جائے تو شاید ۳۰ دن بھی نہ چل سکے گا۔"

جواب:۔ یہ سوال تو ایک پورا خطبہ ہے تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو اپنے نصب العین سے مایوس کر دینے کے لیے۔ اگر اس کا مقصد خود مایوس ہونا اور دوسروں میں مایوسی پیدا کرنا نہیں ہے، تو اس معاملے پر اچھی طرح سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنے اعلیٰ درجے کے مربی تھے اور

جیسا بلند ترین نمونہ حضورؐ نے اپنی زندگی کا لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس طرح کا کوئی رہنما قیامت تک مسلمانوں
کو میسر نہیں آسکتا - اسی طرح حضورؐ کی تعلیم و تربیت کی بدولت جیسے اعلیٰ درجے کے کارکن دعوتِ اسلامی کی خدمت
انجام دینے کے لیے اُس وقت تیار ہوئے تھے، اُس پائے کے کارکن بھی تیار کر لینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔
اب کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم دینِ حق قائم کرنے کی کوشش ہی نہ کریں؟ اگر اِس کام سے رُک جانے کے لیے یہی دلیل
استعمال کی جائے تو اس کے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں - یا تو دینِ باطل دنیا میں قائم ہو اور ہم اس کے تابع بن کر
رہیں - یا پھر خود بھی دینِ باطل کے قائم کرنے میں لگ جائیں تاکہ دنیوی لذات اور فوائد و منافع سے تو اچھی طرح
شادکام ہو سکیں - اس کے لیے کسی قسم کی بھی اخلاقی بلندی درکار نہیں ہے - صرف پستی کی طرف گرنا ہی ہے جو کسی
محنت اور کوشش کے بغیر با آسانی ہو سکتا ہے -

میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ نیک نیتی کے ساتھ وہ غلط طرزِ فکر اختیار کرتے ہیں جو اس سوال کے اندر مُضمَر ہے
انہوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ یہ طرزِ فکر آخر کار ہمیں کہاں پہنچا کر چھوڑتا ہے ۔ اِس کے بجائے اگر وہ صحیح
طور پر سوچتے تو سیدھی راہ اُن کے سامنے خود بخود واضح ہو جاتی - ایک مومن کے لیے سیدھی راہ یہ ہے کہ رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ جس بلندی پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں اُس کی طرف چڑھنے کے لیے
وہ جتنی کوشش کر سکتا ہے کرے اور عمر بھر کرتا چلا جائے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے - اس
بلندی پر چڑھتے ہوئے اگر کوئی شخص تھک کر راستے میں گر جائے اور وہیں مر جائے تو وہ کامیاب ہے - لیکن اگر
ایک آدمی یہ دیکھ کر کہ چڑھائی بہت اونچی ہے کھڈ کی طرف جانا شروع کر دے تو جائے گا بڑی آسانی سے لیکن
گرے گا بھی ایسی جگہ جہاں اس کا پُرزہ پُرزہ بکھر کر رہ جائے گا - قرآن پاک کو آپ غور سے پڑھیں تو آپ کو
معلوم ہوگا کہ وہ انسان کو سیرت و اخلاق کی بلندیوں پر چڑھنے سے مایوس نہیں کرتا بلکہ اُس کی ہمت افزائی کرتا
ہے - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلْيُسْرٰى "جس نے راہِ خدا میں مال دیا اور خدا کی نافرمانی سے پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا اُس کو ہم آسان
راستے کی سہولت دیں گے" - بلکہ اللہ تعالیٰ کا صریح وعدہ ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
سُبُلَنَا - "جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ان کو اپنے راستوں کی ہدایت ہم خود دیں گے" - لہٰذا
آپ اللہ کی راہ میں جان لڑائیں اور اُس سے توفیق مانگتے رہیں - اپنی ایک ایک کمزوری کو سمجھیں اور اُسے
دور کرنے کی کوشش کریں - اپنے اندر جو بہتر صلاحیتیں پائیں ان کو بھی اچھی طرح سمجھیں اور ان کو ترقی دینے

کی کوشش کریں۔ اس تزکیۂ نفس میں قرآن و حدیث اور سیرتِ پاک اور صحابہ و اخیارِ اُمت کی سیرتیں پڑھنے سے بھی بڑی مدد مل سکتی ہے، اور اگر جماعت کے سب افراد اس کوشش میں لگے ہوئے ہوں تو وہ سب بھی ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے ہیں۔ اس طرح اپنے آپ کو پستیوں سے اُٹھانے اور بلندیوں کی طرف لے جانے کی جتنی کوشش بھی آپ اللہ کے بھروسے پر کریں گے اتنے ہی بلند مراتب پر اللہ تعالیٰ آپ کو پہنچا دے گا، کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا بجائے خود بھی انسان کی اصلاح و ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اسلام میں جو اخلاقی بلندی مطلوب ہے وہ باطل کے مقابلے میں لڑنے اور حق قائم کرنے کی کوشش میں جان لڑانے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کی جس بلندیِ مدارج کو دیکھ کر آپ پر حیرت اور مایوسی کا عالم طاری ہونے لگتا ہے وہ کسی گوشۂ عزلت میں چلّے کاٹنے کا ثمرہ نہ تھی بلکہ اللہ کی راہ میں مار کھانے، اذیتیں سہنے، قیدیں برداشت کرنے، بھوکے مرنے، نقصانات اُٹھانے، خطرات کا سامنا کرنے اور جان و مال کی قربانیاں دینے سے حاصل ہوئی تھی۔ آدمی کو اللہ اور اُس کے دین سے عشق نہ ہو تو وہ اس وادیِ پُرخطر میں اتر ہی نہیں سکتا، اور جب وہ اس میں اترتا ہے تو ہر چوٹ کھا کر اُس کا عشق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی عشق اُن بندگانِ حق کو اتنی بلندیوں پر اُٹھا لے گیا۔ آپ باطل سے لڑنے اور اس کی جگہ حق قائم کرنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگائیں گے تو اللہ آپ کے ساتھ کسی بخل سے کام نہ لے گا۔

اب رہا یہ خیال کہ ہم جیسے کمزور لوگوں کے ہاتھوں اسلامی نظام کا برپا ہو جانا ہی سخت مشکل ہے، اور اگر وہ ہو بھی جائے تو تیس سال کیا، تیس دن بھی قائم نہ رہ سکے گا، تو اس کے متعلق میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے اُوپر اسلامی نظام برپا کر دینے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے، بلکہ اس کے لیے جان لڑانے کی ذمہ داری ہی ڈالی گئی ہے۔ اس کا برپا ہونا یا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اور یہ بھی اللہ کی مشیت ہی پر منحصر ہے کہ وہ قائم ہو تو کب تک چلے اور کب تک نہ چلے۔ لہٰذا ان باتوں کو سوچ سوچ کر تھڑدلی میں مبتلا ہو جانا درست نہیں ہے۔ آپ کے کرنے کا جو کام ہے اُسے اپنی حد تک زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے کرنے کی کوشش کریں، اور اللہ کے کرنے کا جو کام ہے اسے اللہ پر چھوڑ دیں۔

(باقی)